جو اسمبلیاں رہی ہیں ان میں بھی ایسے ہی لوگوں کی اکثریت ہوتی ہے۔

بھٹو دور میں لوگوں نے سوشلزم سے جو کچھ سمجھا وہ سوشلزم نہیں تھا بلکہ عوام کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بھٹوازم تھا۔ اخلاق و کردار کا زبردست بحران تھا۔ جس نے تہذیب ثقافت شرافت اور روایتی اقدار کو تباہ و برباد کر دیا۔ لوگ آج سوشلزم کو گالیاں دیتے ہیں مگر وہ تو سوشلزم نہیں تھا۔ آج لوگ جمہوریت کی بحالی کی بات کرتے ہیں۔ پوری دنیا پاکستان کے فوجی حکمرانوں جنرل مشرف کے پیچھے پڑی ہے کہ اپنے ملک میں جمہوریت بحال کرو مگر وہ دنیا بھر کو تبارہے ہیں کہ جس نظام حکومت پر انہیں جمہوریت کا شبہ ہو رہا تھا۔ وہ جمہوریت نہیں بلکہ ایک گروپ سیاستدانوں کے ایک گروہ کی آمریت تھی ،جس میں:

1۔ایک خاندان ملک کی ساری دولت پر قابض ہو گیا اور اس کی جائیداد اتنی ہو گئی کہ اس کا شمار ہی مشکل ہو گیا۔ یعنی لکھ پتی، کروڑ پتی، کھرب پتی اور اس کے بعد کھرب پتی ان ڈالرز (کہ پاکستان میں آجکل ڈالر کی قیمت 50 روپے سے زیادہ ہی رہی ہے۔)

2۔ پوری مملکت میں پڑھے لکھے ایم۔اے ،ایم۔ایس۔سی انجینئرز، ڈاکٹرز، سائنس دان اور اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ڈگریاں ہاتھوں میں لئے پھرتے ہیں۔ کسی کو نوکری نہیں ملتی۔ کیونکہ اس کے لئے سفارش اور رشوت ضروری ہے۔

3۔ایک شخص جو ملک کا وزیراعظم ہے وہ نہ پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہے اور نہ ہی کسی اور اداہ کے سامنے اس کے خاندان کے لوگ ملک کے اہم ترین عہدوں پر قابض ہیں اور یہ لوگ صرف اپنے خاندان اور برادری کے لوگوں کو اہم عہدوں پر متعین کر دیتے ہیں۔

4۔ملک میں کوئی ڈسپلن نہیں کسی کے لئے بھی تحفظ نہیں۔

5۔ چور، ڈاکو اور قاتل ملک میں کھلے عام دندناتے پھرتے۔ عوام ان کے خلاف کسی سے شکایت بھی نہ کر سکتے تھے۔

6۔ پولیس ملک میں امن و امان قائم کرنے کی بجائے قانون شکن افراد کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی کیونکہ یہ لوگ بے تحاشہ دولت کے مالک بن گئے تھے۔

7۔ بے روزگاری کے ساتھ ساتھ مہنگائی بے تحاشہ ہو گئی۔ ہر صنعت کار اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی قیمت خود مقرر

کرتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے بڑھا دیتا ہے۔ گزشتہ پانچ برسوں میں ایک سو روپے کی چیز چار پانچ سو کی ہوگئی۔ مگر لوگوں کی آمدنی اور تنخواہوں کا معیار وہی ہے جو بیس برس قبل مقرر کیا گیا تھا۔

8۔ عالمی مالیاتی اداروں سے 36 ارب ڈالر کا قرضہ لینے کے بعد سیاستدان اور انکے رشتہ دار صنعت کار اس قرضہ کو کھا گئے ہیں۔ ملک میں ترقی کا عمل شروع ہی نہیں کیا گیا۔

9۔ سیاست دان، صنعت کار، سرمایہ دار، زمیندار، جاگیردار کسی قسم کا ٹیکس ادا نہیں کرتے ٹیلی فون اور بجلی کے بل تک ادا نہیں کرتے جس کی وجہ سے غریب اور پسے ہوئے عوام کو ہر قسم کے ٹیکس ادا کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً ملک کے کھرب پتی (ان ڈالرز) وزیراعظم نے تین سال قبل صرف 477 روپے ٹیکس ادا کیا تھا۔

پاکستان کے فوجی چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے جب یہ صورتحال دنیا جمہوریت کے چیمپین ممالک کے سامنے رکھی تو وہ حیران ہوگئے۔ کہ یہ کیسی جمہوریت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام یورپی ممالک امریکہ اور روس نے پاکستان کے قرضوں کو ری شیڈول کیا۔ جاپان بھی ان مہربان ممالک میں سے ایک ہے جنہوں نے یہ دیکھا کہ پاکستان کے عوام اپنے ملک میں اپنے ہی ہم وطن سیاست دانوں کے ہاتھوں لٹ اور برباد ہو رہے تھے، اور یہ عالمی مالیاتی اداروں کی ہی رپورٹ ہے کہ پاکستان کے اہم سیاست دانوں، صنعت کاروں، بیوروکریسی کے اہم افراد اور سرمایہ داروں، جاگیرداروں نے یکے بعد دیگرے اقتدار میں آنے کے بعد ملک سے باہر سوئیٹزرلینڈ، انگلینڈ، فرانس اور امریکہ کے بینکوں میں اڑھائی سو ارب ڈالر جمع کر رکھے ہیں اور تقریباً اتنا ہی سرمایہ کی ایسی املاک ملک سے باہر پاکستانی مراعات یافتہ طبقہ نے جمع کر رکھی ہیں۔ یہ ساری دولت پاکستان سے ناجائز طریقوں سے لوٹ کھسوٹ کر بیرون ملک جمع کی گئی ہے۔

جنرل پرویز مشرف کہتے ہیں کہ فوج جمہوریت کی مخالف نہیں بلکہ فوج جمہوری نظام کو زیادہ پسند کرتی ہے مگر پاکستان میں جمہوری نظام کو غلط معانی پہنا دیئے گئے ہیں اور وہی پاکستان میں جمہوری نظام کو اس کی بنیاد سے اوپر کی سطح تک بدعنوانی اور خودغرضیوں سے پاک بنانے کا عزم لے کر آئے ہیں جسے عوام نے خوش آمدید کہا ہے۔ پاکستان میں جمہوریت کی بحالی سے پہلے اس لفظ کے اصل معنوں سے آگاہی بہت ضروری ہے۔ پاکستان میں ان سرمایہ دار خودغرض سیاستدانوں نے عام آدمی کے لئے تعلیم کو اس قدر مہنگا کر دیا ہے کہ عام آدمی کے لئے اپنے بچوں کی سکول کی تعلیم کے اخراجات برداشت ہی نہیں کرسکتا۔ کالج اور یونیورسٹی کے اخراجات تو اتنے زیادہ ہیں کہ عام آمدنی والے کے لئے انہیں

برداشت کرنا ناممکنات میں سے ہے۔اسی طرح ذہین اور تعلیم کے خواہش مند طلباء تعلیم کے لئے ترستے رہ جاتے ہیں۔ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے یہاں بنیادی اور صارفین کی ضروریات کی صنعتیں موجود تھیں مگر امریکہ اور عالمی مالیاتی ادارے اس ملک میں موجود چھوٹی موٹی صنعتوں کی مخالفت کر رہے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان اپنے صنعتی انتظام کو ختم کردے اور پاکستان کو دنیا کی تیار شدہ اشیاء کی منڈی بنا دیا جائے۔اس طرح ملک بھر میں ایسی صورتحال بنا دی گئی ہے کہ:

1۔ بجلی کے نرخ بے حد زیادہ کر دیئے گئے ہیں تا کہ صنعتیں چل ہی نہ سکیں۔

2۔یہاں خام مال کو پراسیس کرنے پر اتنے زیادہ ٹیکس ہیں کہ کوئی صنعت کار اس ملک میں صنعت لگانے کا سوچتا ہی نہیں ہے۔

3۔ صنعت کاروں نے دھوکہ دہی اور بدعنوانی سے بینکوں کو لوٹ لیا ہے۔

ان تمام وجوہات کی بنا پر پاکستان کے عام شہری، مالی وسائل اور اقتدار پر قابض طبقہ کے سخت مخالف ہیں مگر وہ ان سے جان چھڑانے کی ہر کوشش میں ناکام ہو چکے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سوشلزم اور اسلام دونوں کے نام پر عوام کو دھوکہ دیا اور عوام کی لوٹ مار جمہوریت کے نام پر بھی کی گئی اس طرح موجودہ فوجی انتظامیہ۔ پاکستان کے سیاسی نظام کی اصلاح کرنے کے لئے اور اس میں اختیارات کو ایک ہی طبقہ کے پاس جمع ہو جانے کے عمل کو بدلنا چاہتی ہے۔عوام کی بھی یہ خواہش ہے کہ ملک میں ایسا نظام سیاست و ملک گیری ہو کہ کوئی طبقہ عوام کو کسی دلکش نعرے سے جذباتی کر کے لوٹ مار نہ کر سکے۔ پاکستان کی دولت صرف پاکستان کے عوام اور یہاں کی سرزمین پر خرچ کی جائے۔

علامہ اقبالؒ سے ملاقات

پاکستان کی موجودہ حکومت کے بارے میں یہ سب باتیں جنرل پرویز مشرف کی زبانی اخبارات کی زینت بنیں تو میں ایک دفعہ پھر حیران ہوا۔ سوچا کہ پاکستان کے پریشان حال عوام کے ساتھ پھر کوئی نیا دھوکہ نہ ہو جائے۔ میں نے کلیات اقبال سرہانے رکھی اور علامہ اقبالؒ کے تصور میں کھو گیا۔ اچانک خواب دیکھا کہ علامہ اقبالؒ کے حضور بیٹھا ہوں۔ علامہ کی شخصیت کا جلال مجھ پر غالب آ رہا تھا۔ علامہ ایک آرم کرسی پر بیٹھے تھے میں سامنے قالین پر بیٹھا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔علامہ کے قریب حقہ پڑا تھا۔انہوں نے ایک کش لے کر مجھے کہا:

''نوجوان.....ایسا مایوس کیوں ہے؟ جس پریشانی میں تم آج مبتلا ہوتے ہو۔ میں گزشتہ ایک سو برس سے اسی

پریشانی میں مبتلا ہوں مگر میں نے تو آج سے ستر برس قبل اس پریشانی کا حل ڈھونڈ لیا تھا۔ کیا میری کلیات میں سے تمہیں وہ نظر نہیں آیا.....!''

میں سحر زدہ حالت میں علامہ اقبالؒ کی شخصیت کے جلال اور ان کی آواز کے دبدبہ میں کھویا ہوا۔ ان کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ بولے ''نوجوان.....میری بات کو سمجھ۔ دو سو سات یا اڑھائی سو گدھوں کا مغز اکٹھا کیا جائے تو کیا اس میں سے انسانی عقل دانائی آجائے گی؟

میں نے لرزتے ہوئے کہا جناب! گدھوں میں انسانی رہنمائی اور حکمت کیسے آئے گی؟

علامہ نے مجھے غور سے دیکھا اور کہا کہ تم قالین پر کیوں بیٹھے ہو۔ (ساتھ پڑے صوفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کرسی پر کیوں نہیں بیٹھتے!''

میں اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا کہ..... جاؤ پاکستان کے عوام کو میرا پیغام دو.....انہیں بتاؤ کہ اگر جمہوریت چاہیئے تو اپنی اسمبلیوں میں پارلیمنٹ کی ایک ایک نشست پر سوچ سمجھ کر انسانوں کو منتخب کرو۔ اگر تمہاری پارلیمنٹ میں دکاندار، تاجر، سرمایہ دار اور خودغرض لوگ اپنے مفادات کی حفاظت کے لئے بیٹھے ہوں گے تو وہ قوم کے لئے کیا کریں گے؟

علامہ اقبال نے کہا، تاجروں، دکانداروں، صنعت کاروں، سرمایہ داروں کے لئے چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کافی ہے۔ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے قوم کا درد رکھنے والے دانشوروں اور قوم کی خدمت کے جذبہ سے معمور صاحب علم و عرفان شخصیات کی ضرورت ہے۔ کیا میں نے اور مسلمانوں کے عظیم قائد محمد علی جناحؒ نے قوم کو اپنے لیڈر منتخب کرنے کا سلیقہ نہیں سکھایا تھا.....؟ کیا ہم نے ایک قومی سیاسی لیڈر کے لئے معیار مقرر نہیں کیا تھا؟

میں نے لرزتے ہوئے کہا۔ اے حکیم مشرقؒ قوم بڑی افتاد میں ہے۔ لوگ قوم کو کبھی سوشلزم، کبھی اسلام اور کبھی جمہوریت چکر میں ڈال دیتے ہیں اور چودہ کروڑ عوام کو اڑھائی تین برسوں کے بعد اور کبھی دس بارہ برسوں کے بعد پتہ چلتا ہے کہ ان کے ساتھ پھر دھوکا ہو گیا ہے!

اس پر علامہ غیض و غضب میں کھڑے ہو گئے اور کمرے میں ٹہلنے لگے۔ انہوں نے اپنے غصہ پر قابو پا کر کہا۔

''جو قوم اور جو جماعت اپنا احتساب صبح و شام خود نہ کرے گی اس کا یہی حال ہوگا۔ امت مسلمہ جس کا میں بھی

ایک ادنیٰ سا فرد ہوں۔اس کو ہم نے اور علماء حق نے ہمیشہ یہی بتایا ہے کہ کسی کے اچھے کلمات کے سحر میں گم نہ ہو جانا۔تم دیکھو کہ جو کہہ رہا ہے کیا اس پر عمل بھی کر رہا ہے اور جو عمل ہو رہا ہے اس کا نتیجہ کیا برآمد ہوا۔اگر عملی بھی ہو رہا ہو اور اس کا نتیجہ بھی درست ہو تو اس عمل کو جاری رکھو۔اگر اس کا نتیجہ ٹھیک نہیں ہے تو پھر قول اور عمل دونوں کا جائزہ لو کہ کہاں غلطی رہ گئی ہے۔اپنی غلطی کو درست کرو۔اسے احتساب کہتے ہیں۔جو قوم اپنا احتساب خود نہ کرے۔وہ ایسے ہی دھوکے کھائے گی۔ہم اپنا فرض ادا کر چکے۔اب تم جانو اور تمہاری قوم کے افراد.....''

علامہ نے یہ کہا اور اٹھ کر جانے لگے۔میں نے دست بستہ عرض کیا کہ میں تو ایک طالب علم ہوں۔ایک نوجوان ہوں، میرے لئے حکم دیں کہ میں کیا کروں۔بیوی بچوں کے ساتھ جاپان میں بیٹھا ہوں۔مگر میرا ایمان، جذبات اور دل پاکستان کے چودہ کروڑ عوام کی زبوں حالی پر رو رہے ہیں۔میں ایک بے بس اور کمزور سا پاکستانی ہوں۔پاکستان اس وقت جن مسائل کا شکار ہے آپ اسے دیکھ رہے ہیں۔اس کا حل بتائیے۔

علامہ اقبالؒ میری یہ بات سن کر رکے۔انہوں نے غور سے میری طرف دیکھا اور کہا.....''تمہاری بے بسی اور تمہا اخلوص دونوں عیاں ہیں۔کیا چودہ کروڑ پاکستانی مسلمان یک جان اور یک قالب ہیں۔کیا وہ ایک قوم ہیں.....؟

یہ ایک بہت ہی مشکل سوال تھا۔میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا ''اے حکیم الامت 1947ء سے پہلے میں موجود نہ تھا مگر میرے والد اور دادا بتاتے ہیں کہ پورے برصغیر میں مسلمان ایک قوم بن کر پاکستان بنانے کے لئے متحد تھے اور ان کی یہ جدوجہد ایک ولولہ انگیز فکری و سیاسی قیادت کی مرہون منت تھی فکر آپ نے دی اور سیاسی فراست قائداعظم محمد علی جناحؒ نے عطا کی۔

مگر اے روئی ہند..... پاکستان بن جانے کے فوراً بعد یہاں لوگ پٹھان، بنگالی، پنجابی، بلوچی، سندھی اور اب مہاجر بن گئے۔ایک قوم پانچ چھ خانوں میں تقسیم ہوگئی۔بنگالی ہم سے جدا ہو گئے۔ ہم میں ذات، برادریاں، قبیلے اور گھرانے ابھر آئے ہیں۔اب ہم ایک کیا بیسیوں قوموں، ذاتوں، برادریوں اور نگرانوں میں تقسیم ہو چکے ہیں.....اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں.....!مگر یہ سب کچھ عوام نے نہیں کیا۔عوام تو اب بھی ایک قوم کے فلسفہ پر یقین رکھتے ہیں مگر ہمارے بہت سے رہنماؤں نے عوام کو ایسے گورکھ دھندے میں پھنسا دیا ہے کہ ہم علاقائی، صوبائی، لسانی اور ذات برادری کے چکر میں پھنس گئے ہیں۔اب ہم ایک ٹولہ نہیں رہے۔

اس پر علامہ اقبالؒ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ کہنے لگے کہ یہ داستان سنانے کے لئے تم میرے پاس کیوں آئے۔ ہمیں اس زعم میں رہنے دینا تھا کہ ہم ایک قوم جسے مسلمان کہا جاتا ہے کے خادم ہیں۔ تم جاپان میں رہتے ہو۔ کیا جاپانیوں میں ذات، برادری اور قبیلے نہیں ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ بہت زیادہ ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی اپنی برادری یا قبیلے کے بجائے جاپانی کہلانا پسند کرتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے ایک سرد آہ بھر کر کہا ''دیکھو ہندو ایک قوم نہیں ایک مذہب نہیں۔ ہزاروں عقائد کے ماننے والے وہاں رہتے ہیں مگر ہندو آج ایک ہندوستانی قوم کی حیثیت سے اپنا تعارف کراتے ہیں۔ ہزاروں عقائد اور ہزاروں نسلوں و مذاہب کے لوگ۔ ایک قوم بن رہے ہیں کیا میرے پاکستانی مسلمان بھائیوں کو یہ دیکھ کر غیرت اور شرم نہیں آتی! کیا میرا نام بیچ بیچ کر کروڑ پتی بن جانے والے دانشور طبقہ کو یہ سبق نہیں دیتے کہ قوم کیا ہوتی ہے۔ کیا تم لوگ اس لکڑہارے کی کہانی بھی بھول گئے ہو جو چوتھی پانچویں کلاس کے طلباء کے کورس میں تھی۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ اول تو سارے تعلیمی کورس ہی بدل دیئے گئے ہیں اور پھر ہر صوبے میں علیحدہ نصاب تعلیم ہے۔ اہل تشیع اپنا نصاب علیحدہ کہتے ہیں۔ اہل حدیث اپنا نصاب تعلیم علیحدہ چاہتے ہیں، بریلوی اور دیگر لوگ علیحدہ نصاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ پاکستان کو سنی سٹیٹ بناؤ اور کوئی کہتا ہے کہ اہلحدیث کے مذہبی و شرعی عقائد کو نافذ کرو۔ مگر اصل صورتحال یہ ہے کہ پاکستان کے اہل اقتدار نے قوم کو ایک ہی چیز سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے وہ ہے تعلیم۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں جبکہ جاپان میں سو فیصد تعلیم، افریقہ میں سو فیصد تعلیم، سری لنکا جیسے ملک میں سو فیصد تعلیم، بنگلہ دیش سابقہ مشرقی پاکستان میں نوے فیصد تعلیم اور ہندوستان میں ساٹھ فیصد تعلیم ہے مگر پاکستان میں سرکاری حکام کے مطابق 26 فیصد تعلیم ہے مگر یہ جھوٹ ہے۔ پاکستان میں چھ سات فیصد سے زیادہ تعلیم نہیں ہے۔

اس پر علامہ اقبالؒ جوش میں آ گئے۔ انہوں نے فرمایا:

''دیکھو یہ اس قوم کا حال ہے جس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور جس ذات مقدس نے حکم دیا کہ علم حاصل کرو خواہ تمہیں اس کے لئے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔''

انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا: ''میاں! میں کیا کروں..... جاؤ، جا کر پاکستان کے فوجی سربراہ جنرل پرویز مشرف سے کہو کہ وہ اگر پاکستان کی بہتری چاہتے ہیں تو پاکستان میں تعلیم کو عام کریں۔ خصوصاً فنی تعلیم پاکستان میں

تعلیمی نظام میں انقلابی تبدیلیاں کی جائیں۔ تعلیم ہی ہے جو اس بکھری اور پریشان حال قوم کو پھر ایک جان کر سکتی ہے۔ کیا تمہیں علم ہے کہ شیخ سعدی نے بارہ سو سال قبل کہا تھا

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

کہ بے علم تو ذات باری تعالیٰ کو بھی شناخت نہیں کر سکتا مگر یہاں تو بے شمار معاملات ہیں جن کو طے کرنے کی ضرورت ہے یہ علم کی کمی ہی ہے کہ پاکستانی قوم اپنے لیڈروں کی بھی صحیح شناخت نہیں کر سکتی۔ جاؤ، تم جاؤ جا کر میرا یہ پیغام عام کر دو کہ بے علم تو خدا کو بھی نہیں جان سکتا۔ ملک و قوم کے معاملات کس طرح طے کر سکے گا۔''

میں نے عرض کیا، اے حکیم دوراں.....آپ.....!

علامہ اقبالؒ نے کہا کہ اب کچھ نہیں تم پاکستانی قوم کا مرض مجھے بتا چکے ہو..... یہ مرض الموت ہے۔ جب تک اس کا علاج نہیں ہوگا کسی اور مرض کا علاج ہو ہی نہیں سکتا۔ پاکستانی قوم پر جہالت کا مرض غالب ہے۔ جنرل پرویز مشرف سے کہنا کہ اگر اس بار راہ گم کردہ قوم کی قیادت اللہ نے تمہارے ہاتھ میں تھما دی ہے تو پھر اس کا علاج صحیح بیماری سے شروع کرو اور وہ ہے جہالت۔ جوں جوں جہالت کا اندھیرا دور کرو گے یہ قوم نکھرتی ہوئی سامنے آتی جائے گی۔ جہالت کا زنگ ہے جس کی وجہ سے یہ قوم فرقہ واریت کا شکار ہوگئی ہے اور جہالت کا ہی جما ہوا گرد ہے جس کی وجہ سے یہ رہبر کائنات اور رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بھول گئی ہے۔ اس قوم کو تعلیم کی ضرورت ہے اور علم کی کمی کی وجہ سے ہی یہ قوم اپنے مقام و مرتبہ اور اہمیت سے لاعلم ہے۔ علم کے سمندر میں اس قوم کے ہر فرد کو غوطہ زن کر دو کہ اس پر سے ہر قسم کی میل دھل جائے۔

میں ابھی علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے دربار میں حاضر تھا کہ اچانک میرے بڑے بیٹے نے مجھے جگا دیا اور کہا کہ ''ابو آپ خلاف معمول اتنی دیر تک کیوں سو رہے ہیں۔ کیا رات کو آپ پریشان تھے اور دیر سے سوئے اور اتنے میں میری جاپانی بیوی مسکراتی ہوئی چائے کے کپ ہاتھ میں لئے آ کھڑی ہوئی۔ میں نے دونوں کی طرف غور سے دیکھا میری بیوی، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اور میرے کاروبار اور مصروفیات میں میری حصہ دار ہے اور میرے بچے بھی ماشاء اللہ بڑے ذہین اور تعلیم کے شوقین ہیں، میں نے دل ہی دل میں علامہ اقبالؒ کو کہا کہ میرے گھر میں تو آپ کا حکم چل رہا ہے۔ پاکستانی قوم تک آپ کا پیغام میں بڑی دھوم دھام سے پہنچاؤں گا اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کروں گا کہ وہ اسے مقبول عام کرے۔

آمین۔

مرشد.....علامہ اقبالؒ کا نسخہ

ہم تو جمہوریت، سوشلزم اور اسلام کے ایک ایسے تکون میں پھنس گئے تھے جہاں سے ہر راہبر اور رہنما نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا۔ ہماری منزل کو مزید لمبا اور کھوٹا کیا۔ مگر.....حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے تو چند مکالموں کے تبادلہ سے ہی پاکستان کے چودہ کروڑ عوام کے مرض کی تشخیص کر دی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ میرے دادا محترم اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے بڑے حاذق اور عوامی قسم کے حکیم تھے۔ بیمار کے بجائے مرض کا علاج کرتے تھے، ان کے پاس ایک دفعہ میری موجودگی میں ایک مریض آیا نہ معلوم اسے کیا مرض تھا اس نے بتایا کہ وہ انگریزی علاج کرا چکا ہے۔ ہومیوپیتھی ادویات بھی کھائی ہیں اور دیسی علاج بھی کرایا ہے مگر اس پر کسی دوا کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ میرے دادا نے پوچھا بھوک لگتی ہے۔ وہ بولا میں دو دو دن کھانا ہی نہیں کھاتا۔ میرے دادا نے کہا ٹھیک ہے۔ تین دن یہ دوا روزانہ دو دفعہ صبح اور رات کو سوتے وقت استعمال کرو۔ گرم دودھ کے ساتھ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے ملازم کو کہا کہ دودھ والی دکان سے گرم دودھ لاؤ اور ایک خوراک مریض کو اپنے سامنے کھلا دی۔ دوسرے دن مریض آیا تو میرے دادا نے اسے کہا تین دن دوا استعمال کرو پھر آنا.....میرے دادا کا کوئی دوست بیٹھا تھا اس نے کہا کہ اس کی بات تو سن لو.....تو میرے دادا نے کہا کہ میں نے اسے مسہل دیا ہے تین دن کے بعد اس کا معدہ صاف ہوگا تو پھر اس کی بات سنوں گا اور تین دن کے بعد جب وہ مریض واپس آیا تو اس کی حالت خاصی بہتر تھی۔ کیونکہ اس کے جسم میں سے زیادہ تر کثافتیں نکل گئی تھیں۔ ہم کس جمہوریت کی بات کرتے ہیں؟ سوشلزم یا اسلام.....ہم پر اثر انداز جب ہی ہو سکتے ہیں کہ ہمارے جسم کی تمام کثافتیں نکل جائیں۔ ہمارا معدہ صاف ہو تو ہمارا جگر کام کرے گا۔ ہمارے دل کا دوران خون ٹھیک ہوگا۔ ہمارے معدہ سے گندی گیسیں نکل جائیں گی تو ہمارا دماغ سکون سے کام کرے گا۔ جہالت بھی کسی قوم کے لئے ایسے ہی ہے جیسے کسی فرد کے لئے انقباض، حکیم حضرات اور خاص طور پر میرے دادا سے ام الامراض قرار دیتے تھے۔

علامہ اقبالؒ کے ساتھ فکر انگیز مکالمہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہماری قوم کے لئے جہالت ام الامراض ہے جب تک ہم اس سے اپنی جان نہیں چھڑائیں گے ہم کسی طور بھی خوشحال نہیں ہو سکیں گے۔ جاپانی زبان کا محاورہ ہے آپ تھوڑی جاپانی زبان بھی سیکھیں۔ (ای۔نو۔نا کا۔نو۔کا وازو) اس کا مطلب ہے کہ کنویں کا مینڈک کنویں کو ہی سمندر

سمجھتا ہے۔ یہ بات ہماری اردو زبان میں بھی اسی طرح ہے۔ ہم لوگ بھی جاہل اور کم معلومات رکھنے والے کو کنویں کا مینڈک کہتے ہیں اور جاپان میں بھی یہ محاورہ اپنے اس مطلب کے ساتھ موجود ہے کہ کنویں کے رہنے والے نے کبھی سمندر دیکھا ہی نہیں اور جس نے سمندر دیکھا ہے وہ کنویں کو کبھی سمندر خیال نہیں کرے گا۔ اسے یہ ادراک ہوتا ہے کہ سمندر کتنا بڑا ہے میں جب تک پاکستان میں تھا تو اس وقت یہ حقیقت میرے ساتھ بھی تھی لیکن پاکستان سے ایک بہت بڑی چھلانگ لگا کر میں جاپان آ گیا۔ یہاں آ کر مجھے محسوس ہوا کہ سمندر اور کنویں کا فرق کیا ہے اور یہاں آ کر مجھے علامہ اقبالؒ کا وہ شعر یاد آیا کہ ''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔'' مجھے پاکستان کا چاند اور ستارہ اپنے سینہ کے اندر چھپائے اور کوٹ کے کالر پر لگائے۔ صرف جاپان ہی نہیں بلکہ امریکہ، یورپ وغیرہ تک کے سمندروں، سرد ہواؤں اور پانیوں سے ٹکرانے کا موقع ملا تو میں نے زندگی سے بہت کچھ سیکھا۔ زندگی میں بہت مشکلات پیش آئیں، بہت مشکل سفر طے کئے مگر نیت نیک اور ارادے درست تھے اس لئے ذات باری تعالیٰ نے بھی ہمیشہ کرم کیا اور میں جس طرح بچپن میں ماں کی گود میں تھا۔ آج بھی اپنے آپ کو اپنے خالق اور معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کی گود میں محسوس کرتا ہوں اور اسی کی پناہ میں جی رہا ہوں اور موجودہ سارا کام بھی اس نکتہ نظر سے کر رہا ہوں کہ شاید ذات باری میرے اس ہدیہ خلوص کو پسند کرے۔

ہم بات جمہوریت کی کر رہے تھے۔ واپس جمہوری نظام کی طرف ہی آ جاتے ہیں۔ اپنے ملک کا سوشلزم، اسلام اور جمہوری حکومت تو میں دیکھ ہی چکا تھا، جاپان آ کر میں نے جاپان کے جمہوری نظام اور امریکہ کے جمہوری نظام کا تقابلی مطالعہ کیا تو میں نے محسوس کیا کہ امریکہ کی نسبت جاپان میں جمہوری نظام زیادہ صاف ستھرا اور قابل اعتماد ہے۔ امریکہ میں اگرچہ سو فیصد تعلیمی معیار کی بات کی جاتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ امریکہ میں سو فیصد تعلیم نہیں ہے، وہاں بھی ابھی عوام اور حکمرانوں کو زیادہ تعلیم کی ضرورت ہے۔ جاپان کے لوگ امریکہ کی نسبت زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ اس لئے وہ امریکیوں سے زیادہ مہذب اور بہتر اخلاق و کردار کے مالک ہیں۔ جاپان کی جمہوریت اعلیٰ تعلیم یافتہ، مہذب اور اچھے دماغ کے لوگوں پر مشتمل ہے اور جاپانی قوم کے کسی دور افتادہ گاؤں، دیہات یا جزیروں میں بھی آپ کو کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو تعلیم یافتہ نہ ہو۔ ایک بات جس کی میں یہاں وضاحت کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ جاپان ایک ایسا ملک ہے جس کو 1948ء میں آزادی ملی اور یہاں تعلیم یافتہ کا مطلب یہ نہیں کہ جو اپنے دستخط کرے۔ پرائمری یا مڈل پاس ہو اسے پڑھا لکھا تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ نہیں، جاپان میں تعلیم یافتہ کا مطلب ہے کوئی ایسا علم اس نے حاصل کیا ہو جس سے وہ ملک و

قوم کی تعمیر وترقی میں حصہ لے سکتا ہو۔خواہ اس نے ٹائپ اور شارٹ ہینڈ سیکھی ہو یا ویلڈنگ کا کام جانتا ہو،یعنی ایسی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر وہ اپنا رزق کما سکے اور چند لوگوں کو یہ علم سکھا سکے۔اسے تعلیم یافتہ کہتے ہیں اور جاپانی قوم سو فیصد تعلیم یافتہ سے یہی مراد ہے۔

اوپر بیان کئے گئے پس منظر میں جاپان میں جو لوگ سیاست کرتے ہیں وہ انڈسٹری،فنانس،سیاسیات،قانون سازی اور بین الاقوامی خانوں اور بین الاقوامی تجارت، بینکنگ اور فنانس کے ماہر ہوتے ہیں۔ان میں کوئی بھی ایسا نہیں کہ تعلیم یافتہ تو نہ ہو یا بی اے میں چار سال فیل ہوتا رہا ہو۔باپ صنعت کار یا زمیندار ہے اور وہ اب سیاست میں آ گیا ہو۔ایسا ہرگز نہیں ہے۔جاپانی ارکان پارلیمینٹ کا معیار دنیا کے بہترین پارلیمینٹیرین کے برابر کا ہے۔وہ لوگ تعلیم اور فنون کے ماہرین کو قوم کی نمائندگی کے لئے اسمبلیوں میں بھیجتے ہیں اور جاپانی عوام کو یہ سب کچھ سیکھنا اور ہر عمل میں لانا پڑا کیونکہ دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپان پر امریکہ نے ایٹمی حملہ کیا۔ایک ایٹم بم ہیروشیما اور دوسرا بم ناگاساکی پر پھینکا گیا۔جہاں لاکھوں جاپانی شہری چند لمحوں میں نیست و نابود ہو گئے اور لاکھوں شہری خوفناک بیماریوں کا شکار ہو کر معذور ہو گئے۔امریکی بموں کے مابعد الاثرات آج تک جاپان کی شہری،صنعتی،معاشی اور معاشرتی زندگی پر اثر انداز ہیں اور ان خوفناک حملوں کے بعد جاپان پر ایسی تباہی آئی کہ یہ دنیا کا انتہائی غریب ملک بن گیا۔یہاں کی زرعی زمینیں اجاڑ ہو گئیں اور صنعتی زندگی ویران۔نہ یہاں کھانے کو کچھ میسر تھا اور نہ ہی پہننے کے لئے لباس۔جاپان کے سمندروں میں برسوں تک تابکاری اثرات رہے جس کی وجہ سے سمندری خوراک بھی جاپان کے لوگوں پر بند ہو گئی۔مگر جاپان کے شہری دنیا کے کسی ملک میں بھیک مانگنے کے لئے نہیں گئے۔ جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد فاتح ممالک نے مفتوح ممالک کے ساتھ جو بھی سلوک کیا۔وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔جاپان کے شہریوں پر جو بھی پابندیاں عائد کی گئیں وہ آج بھی موجود ہیں مگر جاپان کے عوام نے گزشتہ پچاس برسوں میں۔ایک قوم نہیں ایک خاندان بن کر جاپان کی تعمیر نو کی۔جاپان کی سرزمین کا ایک ایک انچ انہوں نے دوبارہ آباد کیا۔جنگ عظیم کے نتائج ہر جاپانی کو آج بھی یاد ہیں اور انہوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جاپان کو صنعتی لحاظ سے اتنی ترقی دی کہ جاپان جو کہ پچاس سال پہلے دنیا کا غریب ترین ملک تھا۔آج دنیا کا امیر ترین ملک ہے۔جاپان کی بنی ہوئی اشیاء دنیا کی درجہ اول کی اشیاء ہیں۔جاپان نے جہاں لوہا نہیں ہے،بیرون ملک سے لوہا، کوئلہ،تیل اور گیس منگوا کر اپنی صنعت کو ایسی ترقی دی کہ آج یورپ اور امریکہ اس کے محتاج ہیں اور معاشی اعتبار سے

جاپان کی بلندی کوتسلیم کرتے ہیں۔ دنیا کے صنعتی مما لک جاپان سے مقابلہ کرنے سے گھبراتے ہیں اوراب یورپی مما لک متحد ہوکر جاپان سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ امریکہ دنیا کو،مختلف خطوں میں بانٹ کرانہیں بین الاقوامی منڈی کے بجائے علاقائی منڈیوں میں محدود کرنا چاہتا ہے، کیونکہ وہ جاپان جیسے ملک کے ساتھ براہ راست مقابلہ نہیں کرسکتا۔ وہ اپنی تجارت کے لئے محفوظ خطے تلاش کررہا ہے۔

جاپان ہی کیوں.....؟

میری ان گزارشات کو پڑھنے والے قارئین ممکن ہے اس بات پر حیران ہوں کہ میں ہر بات پر جاپان کی مثال کیوں دے رہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے زندگی میں دو مما لک کا مطالعہ بہت اچھی طرح کیا ہے۔ ایک پاکستان جہاں میں نے جنم لیا، پڑھائی کی، میرے والدین اور خاندان کے دیگر افراد وہاں رہتے ہیں اور میں خود ہی اپنے ملک پاکستان سے کبھی رشتہ منقطع نہیں کرسکتا اور دوسرا ملک جاپان ہے جہاں میری کاروباری اور گھریلو زندگی شروع ہوئی جہاں میں نے دیکھا کہ میری ہی طرح ہر شخص یہاں محنت کرنے کے لئے دن رات صرف کررہا ہے اور میں نے پاکستان میں دیکھا کہ لوگ اپنی ذاتی زندگی اور حیثیت کو بہتر بنانے کے لئے محنت کرتے ہیں اور کام کرتے ہیں۔ پاکستان میں سرمایہ دار، حکومت کا ٹیکس بچانے کے لئے کوا پریٹو سوسائٹی یا ٹرسٹ بنا لیتے ہیں یا اپنی آمدنی کو خفیہ رکھتے ہیں۔ پاکستان میں لوگ محنت سے جی چراتے نہیں، بلکہ محنت کے دوسرے متبادل ڈھونڈ لیتے ہیں جبکہ جاپان میں عوام کے جذبات اس سے مختلف ہیں یہاں لوگ قوم بننے کے لئے اور قومی حیثیت کو مضبوط بنانے کے لئے بھی بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں یہاں کوئی شخص اس لئے کام بند نہیں کرتا یا اپنے کاروبار کا کوئی نام نہاد ٹرسٹ نہیں بناتا وہ حکومت کو دیا جانے والا ٹیکس بچالے۔ یہاں عوام خود بھی ٹیکس دینے میں گریزاں نہیں اور یہاں کا نظام ہی ایسا ہے کہ کوئی شخص خواہ وہ جاپان کا وزیراعظم ہو۔ ٹیکس کے نظام سے بچ نہیں سکتا، جاپان میں لوگ چھوٹے چھوٹے کام بھی کرتے ہیں۔ میں جہاں کہیں بھی جاپان میں ہونے والے اچھے کاموں کا ذکر کرتا ہوں آپ اس سے یہی مراد لیں کہ میں پاکستان میں بھی ایسے ہی نظام اور انتظام کی خواہش کرتا ہوں۔ جاپان نے ترقی کیسے کی۔ وہ ترقی کی منازل کو طے کرتا ہوا موجودہ مقام تک کیسے آیا.....؟ میں پاکستانی بھائیوں کو جاپانی نظام کی اچھی پالیسیاں بنانا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلا کام دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپانی سیاستدانوں نے یہ کہا کہ تعلیم کو قانونی طور پر لازمی قرار

دے کر نافذ کر دیا۔ پرائمری تعلیم بالکل مفت اور ضروری ہے۔ جن لوگوں نے اس سے بچنے کی کوشش کی انہیں جیلوں میں بند کر کے انہیں پڑھایا گیا۔ پرائمری سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کو دوپہر کا کھانا بہت اعلیٰ درجے کا بلا معاوضہ دیا جاتا ہے اور اس میں امیر غریب کا کوئی سوال نہیں۔ میرے بچے بھی پرائمری سکول میں پڑھتے ہیں اور وہ روزانہ گھر پر آ کر بڑی خوشی سے بناتے ہیں کہ آج سکول میں کھانے کا مینیو کیا تھا۔ روزانہ مختلف قسم کے کھانے بدل بدل کر دیئے جاتے ہیں۔ بچے اپنے ٹیچرز کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ بچوں کو صبح ایک گلاس دودھ بھی سرکاری طور پر دیا جاتا ہے۔ ان کی صحت کا مکمل دھیان رکھتے ہیں ان کے دانت چیک کئے جاتے ہیں۔ انہیں وٹامنز دیئے جاتے ہیں۔ جاپان کی آبادی بھی لگ بھگ اتنی ہی ہے جتنی پاکستان کی اور پاکستان کے پاس وسائل اور ذرائع جاپان سے زیادہ ہیں۔ پھر ہم ان وسائل اور ذرائع کو خود محنت کر کے بہتر کیوں نہ بنائیں۔ میری بھی خواہش ہے کہ ہمارا پاکستان، ایک نیا پاکستان ہو۔ جاپان سے بھی زیادہ ترقی یافتہ اور امیر ملک۔ اس منزل کو حاصل کرنے کے لئے ہمارا سب سے پہلا مشن۔ تعلیم کو عام کرنا ہی ہوسکتا ہے۔ تعلیم سے لوگوں میں اچھائی اور برائی کا شعور پیدا ہوگا۔ اچھے برے کی تمیز پیدا ہوگی۔ جائز ناجائز، قانونی اور غیر قانونی کی پہچان ہوگی۔ جب ساری قوم تعلیم یافتہ ہوگی۔ تب سب لوگ محنت کی عظمت کو پہچانیں گے اور ملک میں اصل جمہوریت کا دور دورہ ہوگا۔ لوگ کسی لالچ، دھونس اور دھاندلی میں آئے بغیر اچھے اور باشعور لیڈروں کا انتخاب کریں گے۔ ملک میں اچھے منصوبہ ساز سامنے آئیں گے۔ پاکستان کی معاشی صورتحال بدلے گی۔

جاپان میں آج سے پچاس سال پہلے لوگوں نے منصوبہ سازی کی تھی کہ ہم 2000ء میں پہنچنے سے پہلے کیا کیا کریں گے۔ آج جاپان کے لیڈروں نے اپنی قوم کو بتایا ہے کہ 2050ء میں وہ کہاں ہوں گے اور اس منزل کے لئے جاپانی قوم ہمہ تن مصروف ہے۔ آج سے 50 سال قبل جاپانی قوم کے منصوبہ سازوں نے اپنے ملک کے اچھے اور ذہین بچوں کو یورپ اور امریکہ اعلیٰ تعلیم کے لئے جب بھجوایا تو ایسا نہیں تھا کہ بچے اپنی ماؤں بہنوں کے زیور بیچ کر وہاں کمائی کرنے کے لالچ میں گئے ہوں۔ نہیں۔ ان لوگوں کو قومی خرچے پر اعلیٰ فنون اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کے لئے بھیجا گیا تھا اور یہ بچے جب اعلیٰ تعلیم و تربیت کے ساتھ واپس جاپان آئے تو انہوں نے امریکہ سے سیکھی ہوئی ٹیکنالوجی کو استعمال کر کے امریکہ سے اور انگلینڈ سے بہتر اور سستے ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، کار، کمپیوٹر اور دوسری اشیاء بنانا شروع کر دیں ہر چیز جو امریکہ اور برطانیہ میں ایجاد ہوئی تھی اس کی مینوفیکچرنگ اور کوالٹی کنٹرول جاپان میں ہوا۔ اس سلسلہ میں میرے ساتھ بہت

بڑا لطیفہ ہوا۔ میری والدہ محترم کہتی ہیں کہ ''دنیا بھر میں لوگوں کو جاپانی چیزیں بہت پسند ہیں۔ کوئی کہتا ہے میرا ٹی وی جاپانی ہے، میرا فریج جاپانی ہے، میرے پاس جاپانی وی سی آر ہے، مگر میں کہتی ہوں کہ میری بہو جاپانی ہے۔ میرے پوتے، پوتی جاپانی ہیں۔'' شاید یہ بات وہ مجھے اور میری بیوی کو خوش کرنے کے لئے بھی کہتی ہوں۔

میں اپنے پاکستانی بھائیوں اور بہنوں کو کہنا چاہتا ہوں کہ ذرا دل کی گہرائیوں سے پاکستان کے بارے میں سوچو۔ ہمیں آئندہ آنے والے پچاس برسوں کے بارے میں باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے آگے کی طرف چلنا ہوگا۔

میرے خیال میں سب سے اولیت تعلیم کی ہے جو لوگ تعلیم حاصل کرنے سے گریز کریں۔ انہیں بڑی سے بڑی اور سخت سزائیں دی جائیں۔ اچھی تعلیم حاصل کی جائے۔ دین سے آگہی بھی بہت ضروری ہے۔ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ تو تعلیم کو سب سے زیادہ ضروری خیال کرتے ہیں اور قائداعظمؒ کے فرمان کے مطابق اعلیٰ دنیاوی اور دینی تعلیم پر ہی پختہ ایمان کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

دوسرے نمبر پر بابائے ملت کا فرمان اتحاد ہے۔ پوری قوم متحد تب ہی ہوسکتی ہے اگر آپ میں سوچنے کی صلاحیت ہو۔ آپ کی منزل ایک ہو اور آپ کے مقاصد ایک ہوں، مگر فکر و نظر کی ہم آہنگی تو صرف تعلیم کی بنیاد پر ہوسکتی ہے۔ مذہبی عقائد سب کے اپنے اپنے ہوسکتے ہیں۔ تعلیم ہم کو سکھاتی ہے کہ مذہبی عقائد اپنی اپنی ذاتی تسکین کے لئے ہیں اور قومیں مذہبی عقائد کی بنیاد پر نہیں وسیع تر مینی فیسٹو کی بنیاد پر بنتی ہیں۔ جیسا کہ ہم مسلمان ہیں۔ ان میں کوئی شیعہ ہے، سنی ہے، بریلوی ہے یا دیوبندی۔ ہم سب مسلمان ہیں اور یہ اسلام ہمیں ایک قوم بننے کی تعلیم دیتا ہے مگر جب کسی کے پاس تعلیم ہی نہ ہو تو وہ تو تفرقہ بازی کا شکار ہو جائے گا۔ تعلیم ہمیں یہ بات سکھاتی ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائی جائے نہ کسی کے عقائد کو چھیڑا جائے اور نہ ہی غلط مباحث میں پھنس کر پوری قوم کی منزل کھوٹی کی جائے۔ جب تعلیم عام ہوگی تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ بابائے ملت نے لفظ ایمان استعمال کیا ہے تاکہ ہر شخص اپنے آپ کے ساتھ اور اپنے ملک کے ساتھ مکمل طور پر ایماندار ہو اور دوسروں کی مکمل طور پر عزت کرے۔ ایسا کرنے سے پوری قوم میں ہم آہنگی پیدا ہوگی، ہم آہنگی، ہارمونی، قومی اتحاد کے لئے پہلی منزل کا درجہ رکھتی ہے۔

ہم پاکستانی ہیں

ہمارا موضوع سخن تو پاکستان ہی ہے۔ بات جاپان کی کریں یا ایران کی مقصد تو یہی ہے کہ ہم اپنے معاملات کو

ٹھیک کریں۔اسی طرح جیسے دوسرے ممالک نے اپنے حالات کوٹھیک کیا ہے۔ میں ذوالفقارعلی بھٹومرحوم کے دوراقتدار کے عرصہ میں پاکستان میں طالب علم تھا۔اس زمانے میں بہت شوراٹھا تھا کہ بھٹوصاحب نے روٹی پلانٹ منگوایا ہے جس پر پکی پکائی روٹی تیار ہوگی جوعوام کوکم قیمت پر ملے گی۔بھٹونے روٹی پلانٹ منگوا کرغلط کیایا صحیح کیا۔مگرانہوں نے روٹی پلانٹ کے ساتھ ساتھ قوم کے لئے جوایٹمی پلانٹ بھی منگوایا تھا۔وہ کام سب سے اچھا تھا،ہم آج بھی اسی ایٹمی پروگرام کی وجہ سے ہی دنیا میں سراٹھا کر چل رہے ہیں اورآج جوساری دنیا پاکستان کے حق میں یا اس کے خلاف باتیں کررہی ہے وہ صرف اس ایٹمی پلانٹ کی وجہ سے ہی ہیں۔آج ہمیں یہ کہنے میں کسی بخل کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے کہ ایسا قدم ایک دلیر بہادراورملک وقوم سے محبت کرنے والا لیڈر ہی اٹھا سکتا تھا جوبھٹونے کیا وہ ایک بڑا کارنامہ تھا۔البتہ بھٹومرحوم کے دور میں ایک دم،قوم کومختلف حلقوں میں جوآزادی دے دی گئی اورجس جمہوریت سے متعارف کرایا گیا۔اس میں افراد کواپنے حقوق سے توآگاہ کردیا گیا مگرانہیں ملک وقوم کے حقوق سے آگاہی کی کوئی تربیت نہ دی گئی۔حالانکہ جمہوریت کا پہلا مرحلہ ہی یہ ہے کہ قوم کے افراد کو بتایا جائے کہ قوم اورملک کے مفادات کیا ہیں۔وطن عزیزاورسرزمین پاک کے حقوق اور ضروریات کیا ہیں.....مگربھٹومرحوم کونہ معلوم کیا جلدی تھی۔انہوں نے ملک وقوم کوتربیت کے ایک اہم دور سے گزارنے کے بجائے ایک ایسی جمہوریت سے ہمیں متعارف کرادیا جو یہاں کے لئے نہیں تھی بلکہ امریکہ اور یورپ کے لئے تھی۔ پاکستان میں قوم اورملک کے مفادات اورحقوق کے ساتھ ساتھ ہماری اسلامی اقدار بھی موجود ہیں۔ہم توابھی اپنے اسلام سے بھی پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہیں.....ہم لوگ اسلام کی باتیں کرتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے،اگرہم لوگ اپنی زندگی پراسلام کونافذ کرلیں تو پھرہمیں نہ کسی کمیونزم کی ضرورت ہےاورنہ ہی کسی سوشلزم یا منافقانہ جمہوریت کی۔

اسلام کیاسکھاتا ہے؟

اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ اسلام صرف عبادات ہی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکمل سیاسی،سماجی،معاشی اور معاشرتی نظام ہے۔

سچامسلمان وہ ہے

جوکسی کے ساتھ دھوکہ نہ کرے۔

جوکسی کا حق ہضم نہ کرجائے۔

جو ہمیشہ سچ بولے، خواہ اس میں جان چلی جائے۔

جو ہر حالت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو مدنظر رکھے۔

جو اپنے خاندان اور ذات کے برابر دوسروں کے حق کا خیال رکھے۔

جو قرآن اور نماز پڑھتے وقت اللہ سے جو عہد کرتا ہے اسے اپنی زندگی کے ہر عمل، کاروبار اور زبان و بیان پر نافذ کرے۔

جو کام وہ سب کے سامنے نہیں کر سکتا اسے تنہائی میں بھی نہ کرے۔

اسلام کا حکم ہے کہ:

کسی مسلمان سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے بلکہ کسی مسلمان کے ہاتھوں کسی انسان کو تکلیف نہ پہنچے۔

مسلمان اپنے گھر کھانا کھانے سے قبل یہ تسلی کرے کہ اس کے پڑوسیوں نے بھی کھانا کھایا ہے۔

مسلمان پر کبھی بے ایمانی اور بد دیانتی کے ذریعہ کمایا گیا مال حلال نہیں اور وہ حرام مال نہیں کھائے گا۔

مسلمان.....قرآن و سنت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اتباع اور قرآن حکیم کے احکامات پر عمل کرے گا۔

مسلمان.....وہی ہے جو قرآن وسنت کے احکامات کو اپنی ذات پر مکمل طور پر نافذ کرے۔

عبادات

کلمہ، نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ۔ یہ سب کسی مسلمان کو معاف نہیں۔

ایمان کا معیار

روایت ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو معلوم ہوا ہے کہ مکہ معظّمہ میں ایک شخص رہتا ہے۔ ان کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم موجود ہے جو اس نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا۔ امام اعظمؒ اس شخص سے ملاقات اور پیغمبر اسلام کا وہ حکم سننے کے لئے مکہ معظّمہ پہنچے۔ وہاں آپ نے دیکھا کہ ایک شخص بھاگتے ہوئے گھوڑے کو پکڑنے کے لئے اپنی جھولی اس انداز میں اٹھائے ہوئے ہے گویا جھولی میں گھوڑے کے لئے چارہ ہو، مگر جونہی گھوڑا قریب آیا تو اس نے گھوڑے کو پکڑ لیا اور جھولی جو کہ خالی تھی چھوڑ دی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جب اپنے مطلوبہ شخص کے بارے میں دریافت

کیا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ یہی گھوڑا پکڑنے والا شخص ہے۔ آپ نے محض اس بنا پر اس شخص کی بیان کردہ روایت کو درست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ جو شخص گھوڑے جیسے معصوم جانور کو دھوکہ دے سکتا ہے وہ انسانوں کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے اور جھوٹے شخص کی بیان کردہ روایت فتنہ کا باعث بن سکتی ہے۔

اب بتایئے جس اسلام میں کسی بھی انسان کے لئے اتنی چھلنیاں لگا دی گئی ہوں وہاں دنیا کے کسی اور ازم کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔

ہم نے اسلام کو اپنا نظریہ حیات تو قرار دے دیا مگر اسے اپنا نہیں سکے کیونکہ اسلام کو مکمل طور پر اپنانے کے لئے ہمیں وہ بہت کچھ چھوڑنا پڑتا ہے جو ہمارا نہیں ہے مگر ہم اسے فائدہ مند سمجھ کر گلے سے لگائے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان سب طور طریقوں کو جو اسلام کے دائرہ میں نہیں چھوڑنے ہوں گے اور اسلام کو سو فیصد اپنانا ہوگا کیونکہ اسلام کے صرف وہ حصے اپنا لینا جو ہمارے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں وہ رکھ کر باقی اسلام کو ہم گھروں کے طاقچوں میں بند کر دیں، جی نہیں یہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ وہ کون ہیں جو یتیم کو دھکے دیتے ہیں اور اس کا حق کھا جاتے ہیں۔ ہم اور ہماری اعلیٰ عدالتیں فیصلے کرتی ہیں کہ یتیم پوتا دادا کی جائیداد میں حصہ دار نہیں ہے؟ بھئی کس قرآن اور شریعۃ کی بات کرتے ہو۔ ہمارے رحمۃ العالمین نے تو پڑوسی کے اتنے حقوق بتائے ہیں کہ سچا مسلمان بنے بغیر ہم انہیں بھی ادا نہیں کر سکتے تو کیا یتیم پوتا۔ بہت برا ہوتا ہے کہ اسے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا جائے۔ لاحول ولاقوۃ ہم تو رسول خدا ﷺ کے اسلام کے بجائے کسی دوسرے اسلام کی طرف جا رہے ہیں۔ کیوں..... کیا ہمیں کوئی یہ بتانے والا نہیں کہ یہ راستہ غلط ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ گلیوں، بازاروں اور اہم مقامات پر ایک بورڈ لگا ہوتا تھا جس پر ایک آیت لکھی ہوتی اور اس کے نیچے اس کا ترجمہ جو کچھ اس طرح تھا کہ لوگ قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے کیا ان کی عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں اور اس کے نیچے دو فقرے مزید ہوتے کہ قرآن حکیم کو خود پڑھو اور اس کا ترجمہ سمجھو، تا کہ تم لوگ گمراہی سے بچ جاؤ۔ یہ سارا کام کوئی ایک صاحب تھے جو کرتے تھے۔ نہ معلوم وہ اب زندہ ہیں یا اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔ یہ صاحب لاہور میں سائیکل پر یہ بورڈ لگا کر پر ہجوم مقامات پر کھڑے ہو جاتے اور لوگوں کو اس بورڈ کی طرف متوجہ کرتے۔ یہ کبھی کبھار راولپنڈی شہر کی مختلف گلیوں اور بازاروں کا بھی اسی طرح دورہ کر کے چلے جاتے۔ مجھے آج وہ شخص یاد آتا ہے اور اس کے لئے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیک بندے کی قربانیاں قبول فرمائے۔

بات یہاں سے شروع ہوئی ہے کہ ہم نے اسلام پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ دیکھیں یورپ، امریکہ سابقہ سوویت یونین اور اس کی آزاد کردہ ریاستیں، عوامی جمہوریہ چین وہاں عوام کے لئے کام فراہم کیا جاتا ہے۔ وہاں طلباء کو جز وقتی کام دیا جاتا ہے، وہ کوئی رورعایت نہیں کرتے۔ دو گھنٹے کام کا مطلب ایک سو بیس منٹ تک پورا کام اور اس کا دیانت دارانہ معاوضہ۔

برطانیہ میں، کتنے لوگ ہیں جو ہر ہفتے بے روزگاری الاؤنس لیتے ہیں؟ کتنے لوگ ہیں جو سوشل سکیورٹی کے قوانین کے تحت اپنی بیماری کی دوائیں، ڈاکٹر کے بل، خوراک کے پیسے وصول کرتے ہیں اور بے کاری الاؤنس بھی لیتے ہیں؟ اسلام نے کہا ہے کہ ہر شہری کو تحفظ ریاست دے گی۔ تعلیم ریاست دے گی۔ مال و جان، عزت و آبرو کی محافظ ریاست ہوگی۔ آپ کو باعزت روزگار اور رہنے کے لئے چھت ریاست دے گی اور ریاست کسی شخص کی خدمات بھی بلا معاوضہ یا با معاوضہ حاصل کر سکتی ہے۔ اسلامی ممالک کے علاوہ اسلام کی دی ہوئی یہ سہولتیں ہر غیر اسلامی ملک میں عوام کو مل رہی ہیں۔ ہمارے لاکھوں پاکستانی بھائی امریکہ اور برطانیہ میں ان حکومتوں کی ان مہربانیوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں مگر اپنے دولت مند اسلامی ممالک کو دیکھئے کیا آپ ان ممالک کی شہریت حاصل کر سکتے ہیں؟ کیا ان ممالک میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ملازمت کر سکتے ہیں؟ آج تمام عرب اور اسلامی ممالک مسلمانوں کو ملازمتیں دینے کے بجائے بھارتی ہندو، فلپائن یا بنکاک کے شہریوں عورتوں اور مردوں کو ملازمت دیتے ہیں یا پھر کوریا کے لوگ عرب ممالک میں نوکری کرتے ہیں۔ پاکستانی مسلمانوں کو وہ اپنے ملکوں سے باہر نکال رہے ہیں۔ بھارتی مسلمانوں کو بھی وہ پسند نہیں کرتے۔ آخر کیوں؟ ہم مسلمان تو دوسرے مسلمانوں کے بھائی ہیں پھر ایسی نفرت کیوں؟ میں پاکستان سے باہر ایک ایسے ملک میں رہتا ہوں جہاں سو فیصد قانون کی حکمرانی ہے۔ لوگ کسی اصول اور ضابطہ کے تحت کام کرتے ہیں۔

جاپان..... صنعتی لحاظ سے دنیا کا ایک اہم ترین ملک ہے یہاں اس ملک کے شہری رجسٹرڈ ہیں۔ حکومت کو علم ہے کہ کتنے لوگ کس شہر میں رہتے ہیں۔ کتنے لوگ یہاں ملازم ہیں۔ دفتروں میں کتنے اور کارخانوں میں کتنے لوگ ہیں۔ کتنے تجارت کرتے ہیں اور کتنے لوگ نجی ملازمت کرتے ہیں اور ہر شہر، گاؤں، قصبے میں کتنے لوگ بے کار ہیں۔ جو لوگ بے کار ہیں ان میں سے ہر ایک کے کوائف ان کے پاس موجود ہیں۔ جاپان کی حکومت کے پاس کارخانوں اور فیکٹریوں کی طرف سے درخواست کی جاتی ہے کہ ہمیں اتنی تعداد میں ہنر مند، اتنی تعداد میں نیم ہنر مند اور اتنی تعداد میں غیر ہنر مند

لیبر کی ضرورت ہے۔اس شعبہ کے ماہرین بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش اور ہر ملک سے لیبر کو حاصل کرتے ہیں انہیں بہت ہی باعزت معاوضہ دیتے ہیں مگر ہمارے ملک کی طرف رخ ہی نہیں کرتے۔انہیں کہا بھی جائے تو وہ معذرت کر لیتے ہیں کہ پاکستانی لیبر کو کیوں نہیں لیتے۔ پاکستان سے لیبر بھرتی کیوں نہیں کرتے۔جاپان میں آئے ہوئے پاکستانیوں کو زبردستی ڈی پورٹ کیوں کرتے ہو۔انہیں نوکریاں دو.....ان سے کام لو، آخر دوسرے لوگوں سے بھی تو کام لیتے ہیں۔

مگر.....ہم پاکستانیوں کا اپنے ہم وطنوں کے بارے میں باتیں اور ان کے کارنامے سن کر سر جھک جاتا ہے۔ بدھ مذہب میں اخلاق و کردار کی بڑی اہمیت ہے مگر اتنی زیادہ نہیں۔ ہندو کے ہاں اخلاق و کردار تو صرف دکانداری کا نام ہے۔دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اخلاقی کردار کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں مگر یہ صرف ہمارے پاکستانی بھائی ہیں جو جاپان کے علاوہ دنیا بھر کی جیلوں میں صرف منشیات اور سمگلنگ کے الزامات کے تحت سزائیں بھگت رہے ہیں۔ غیر اخلاقی الزامات ان پر ہیں۔ دنیا بھر کی جیلوں میں دوسرے مذاہب کے لوگ بہت کم ہیں۔ پاکستانی بہت زیادہ ہیں اور پھر سب سے زیادہ شرمناک بات یہ ہے کہ ہمارے سفارت خانے ان لوگوں کے بارے میں وہاں کوئی بات نہیں کرتے۔بھئی ایک آدمی کے پاس آپ کے ملک کا پاسپورٹ ہے آپ اس پاسپورٹ کو غیر ملکی جیلوں میں ذلیل ہونے سے بچایئے، مگر افسوس کہ کہیں ایسا نہیں ہوتا۔ بات چلی تھی اسلام سے۔ بھائی اسلام کے ماننے والے اس وقت دنیا میں ایسے خوار کیوں ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں اپنی عزت اور آبرو کے خود محافظ کیوں نہیں بنتے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پاکستان میں اپنے شہریوں کی تربیت نہیں کرتے انہیں تعلیم نہیں دلاتے۔انہیں دینی تعلیم اور فرائض سے آگاہ نہیں کرتے۔

میری بیوی..... جاپانی ہے۔اس نے مجھ سے شادی کے بعد اسلام کی تعلیم مجھ سے حاصل کی ہے۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ یہ قرآن حکیم ہے۔اس کو پڑھو اور اس کا ترجمہ پڑھو۔ جو چیز سمجھ نہ آئے تو ہم دونوں اس پر بات کرتے ہیں اور پھر مقامی اسلامک سنٹر میں جا کر کسی عالم دین سے ہم بات کر لیتے ہیں۔ پاکستان کی حکومت جن لوگوں کو پاسپورٹ جاری کرتی ہے ان کے سر پر کوئی ذمہ داری بھی ڈالی جائے۔ پاسپورٹ حاصل کرنے والے کے بارے میں انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ یہ پاسپورٹ لے کر کہاں جائے گا اور کیا کرے گا۔کہاں جائے گا اور یہ لوگ مسلمان کی حیثیت سے اسلام اور پاکستانی کی حیثیت سے پاکستان کے چہرے پر جس قدر چاہیں کالک ملتے جاتے ہیں اس پر ہمیں کنٹرول کرنا ہوگا اور اپنے ملک کے شہریوں کے لئے یہاں ہی ملازمتوں کا بندوبست کیا جائے۔

ہمارے ساتھ ہوا کیا۔۔۔؟

آیئے آج ہم آپس میں بیٹھ کر اپنی خرابیوں پر غور کریں۔ ہم مسلمانوں میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ہم لوگ آپس میں بیٹھ کر کبھی اپنا احتساب نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے احتساب کو ہم پسند کرتے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم احتساب کریں گے تو چور پکڑا جائے گا وہی چور جو ہمارے دلوں میں چھپا ہوا ہے۔ قائداعظمؒ کے بعد ہم لوگ اس سیاسی اخلاق سے باہر نکل گئے جو قائداعظمؒ نے ہمیں دیا تھا۔ میں سوچتا ہوں تو مجھے فخر ہوتا ہے کہ ہم مسلمان ایک ایسے نبیؐ، ایسے پیغمبرؐ اور رسولؐ خدا کے ماننے والے ہیں جنہوں نے کفار مکہ کو کہا کہ آپ لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

اس کے جواب میں کفار مکہ نے کہا:

''اے محمد ﷺ.....آپ صادق ہیں، آپ امین ہیں، آپ کا بچپن اور آپ کی جوانی ہماری آنکھوں کے سامنے گزری اور ہمارے دیکھتے دیکھتے آپ ادھیڑ عمر تک پہنچے، آپ ہمیشہ سچ بولنے والے، لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کرنے والے، ایک سچے، دیانت دار اور پسندیدہ عادات واطوار والی شخصیت ہیں۔''

اس پر میرے نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا۔

''دیکھو.....اگر میں تمہیں کہوں کہ دشمن کا ایک بڑا لشکر پہاڑ کے پیچھے ہے جو تم پر حملہ آور ہونے کے لئے آ رہا ہے، تو.....''

اس پر کفار مکہ نے کہا: ''اگر آپ یہ کہیں گے تو ہم اس پر یقین کریں گے کیونکہ آپ نے آج تک کبھی غلط بیانی نہیں کی۔''

کیا یہ فخر کی بات نہیں کہ ہمارے پیغمبر، ہمارے ہادی ورہبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے شہر کے لوگ، ان کے دوست اور دشمن ایسا یقین اور اعتبار رکھتے تھے اور پھر ہرقل اعظم رومن بادشاہ کے دربار میں ابوسفیان اور ہرقل اعظم کا وہ مکالمہ جو کہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ اس میں ہرقل بادشاہ نے ابوسفیان سے ہر قسم کے سوالات دریافت کئے۔ ابوسفیان نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتایا کہ وہ نہایت دیانت دار، سچے اور اعلیٰ کردار کے انسان ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کے آباؤ اجداد میں سے کسی نے کبھی ضرورت سے زیادہ بات نہیں کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساری زندگی ہمارے سامنے رہے۔ وہ مطہر اور پاک صاف شخصیت و کردار کے مالک ہیں۔ تو ہرقل اعظم نے کہا کہ پھر تم اسے اللہ کا نبیؐ کیوں

نہیں مان لیتے ،جس پر ابوسفیان خاموش ہو گئے۔

ہمارے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ٹھوس اور صاف ستھری شخصیت تھے اور اس کے بعد اسلام کے حوالے سے ہی برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک رہنما دیا۔ محمد علی جناح، آج تک کوئی ہندو، انگریز، سکھ یا کوئی بھی ان کی ذات گرامی پر کوئی اعتراض نہیں کر سکا۔ سچائی اور راستی کا پیکر، صاف ستھرا اجلا کردار۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا بڑا ہادی اور رہبر نبی اکرمؐ کی صورت میں دیا جن کی ذات گرامی کی پاکیزگی کی ان کے ساتھ پوری عمر کام کرنے والے انہیں دیکھنے والے قسم کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں لیڈر بھی ایسا دیا کہ ان کے مخالفین بھی ان کی دیانت، امانت اور راست بازی کی قسم کھاتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم جھوٹے کیونکر بنے۔ ہم دھوکہ باز کیسے بنے ، ہم اور ہمارے لیڈر بددیانت کیسے ہوئے..... ہمارے تاجر، ہمارے سرمایہ دار، ہمارے جاگیردار، زمیندار، کاشت کار، ہمارے سرکاری ملازم ہمارے سیاسی رہنما اور کارکن بے ایمان اور وطن فروش کیسے ہو گئے؟ ہمارے لیڈر قوم کی دولت لوٹ کر کیسے کھانے کے عادی ہو گئے؟ ایسے لاجواب نبیؐ کے ماننے والے اور ایسے شاندار لیڈر کے ساتھ کام کرنے والے لوگ بے ایمان کیسے ہو گئے؟ یہ کیا تھا جس قوم نے خدائے برتر کے سب سے بڑے اور دیانت دار نبیؐ کی گواہی دی وہی قوم آج دنیا میں سب سے زیادہ ناقابل اعتبار اور بھروسہ قوم سمجھی جا رہی ہے۔ دنیا بھر میں اس کے پاسپورٹ کی کوئی عزت نہیں ہے۔ یورپ، امریکہ اور غیر مسلم ممالک کی ایک مسلمان ملک کے ساتھ نفرت اور عداوت تو سمجھ آتی ہے مگر یہ اسلامی ممالک بھی تو پاکستانی پاسپورٹ کے لئے کوئی عزت نہیں رکھتے۔ یہ بھی تو پاکستانیوں کو نفرت سے دیکھتے ہیں۔ یہ ہے وہ اصل بات جس کے لئے ہم بیرون ملک رہنے والے پاکستانی بہت زیادہ آزردہ ہیں۔ ہمیں یہ جائزہ لینا چاہئے کہ یہ سب ہمارے ساتھ کیوں ہو رہا ہے۔ آیئے ہم اس کا تفصیلی جائزہ ایک دفعہ پھر لیں۔

پاکستان کی سیاسی زندگی کا پہلا دور

14 اگست 1947ء سے اکتوبر 1958ء تک

یہ وہ دور تھا جب پاکستان میں بمشکل سیاسی استحکام پیدا ہوا۔ بابائے ملت قائداعظمؒ اور شہید ملت خان لیاقت علی خان کے بعد ہم نے پاکستان میں آئین سازی کا مرحلہ مکمل کیا اور جمہوریت کو مستحکم کرنے کے لئے پاکستان کو اسلامی